فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (قرآن)

ماہنامہ لاہور

مُحدِّث

مدیر:

حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی - لاہور ۱۶

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ **محدث** لاہور

جلد ۱	محرم الحرام ۱۳۹۱ھ مارچ ۱۹۷۱ء	عدد ۴

مدیر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی (روپڑی)

مقامِ اشاعت

مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن ○ لاہور ۱۶

ناشر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی　طابع : ملک محمد عارف　مطبع : دین محمدی پریس - بل روڈ - لاہور

فہرستِ مضامین

آئندہ اشاعت میں

سابقہ اشاعت میں "الحرکۃ السلفیہ ودفع الشبہات عنہا" اور حالیہ اشاعت میں "الاسلام لیس رأسمالیا ولا اشتراکیا" عربی مضامین کے اردو ترجمے بعنوان "اہل حدیث اور ان سے غلط فہمیوں کا ازالہ" اور "سرمایہ داریت اور سوشلزم کی اسلام سے کوئی مناسبت نہیں ہے" آئندہ شمارہ برائے اپریل ۱۹۷۱ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

جواب سے مطلع فرمائیں ــــ کوپن

تفصیلات آخری صفحہ پر (ٹائپ میں) ملاحظہ فرمائیں ــــــــ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

فکر و نظر

پاکستان ــــ جس کے قیام کا مقصد "لا الہ الا اللہ" کی عملی تعبیر تھا اور جسے صحیح معنوں میں نمونہ کی اسلامی ریاست اور اسلام کا مضبوط حصار ہونا چاہیئے تھا ــ اول روز ہی سے لادین قوتوں کی ہوسِ اقتدار کی بدولت اپنی اصلی راہ پر گامزن نہ ہو سکا۔ جب کبھی اصلاح احوال کی تھوڑی سی امید پیدا ہوئی یہ قوتیں حرکت میں آئیں اور انہوں نے ایسے حربے استعمال کئے جن سے مقصد کا حصول تو کجا منزل اور بھی دور ہو گئی۔ ۲۳ سال اسی انتظار میں گذر گئے اب حالات اتنے پریشان کن ہیں کہ صحیح اسلامی نظام حکومت قائم ہونا تو ایک طرف پاکستان کا اساسی نظریہ اور سالمیت بھی خطرہ میں پڑ گئی ہے ؛

وجہ یہ ہے کہ کسی ریاست کو "لا الہ الا اللہ" کی بنیاد پر ایک مثالی اسلامی ریاست بنانے کے لئے جس قسم کے کردار اور سیرت کی ضرورت ہوتی ہے روز بروز اس میں کمی ہوتی جا رہی ہے، کیا لیڈر اور کیا عوام سب لادینیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر لیڈر ہوسِ اقتدار میں مگن ہیں تو عوام مادیت اور عیش پرستی میں غرق ــــ اور اسلام کی حیثیت فقط ایک نعرہ کی رہ گئی ہے۔

دنیا کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں کہ یہ مملکت خداداد جو خالص اسلام کے نام پر منصۂ شہود پر

آئی تھی کیا اسلامی نمونہ پیش کرتی ہے اور کیسے ثابت کرتی ہے کہ دورِ حاضر کے لئے بہترین ضابطۂ حیات اور انسانی مشکلات کا واحد حل اسلام ہے؟ دیکھنے والے کی نظر صاحب فکر کے کردار پر ہوا کرتی ہے جس سے وہ فکر و نظر کی صحت کا اندازہ لگایا کرتا ہے اور نتیجہ کار ہی اس کی صحت و عظمت تسلیم کرواتا ہے لیکن بدقسمتی کہیئے یا حالات کی ستم ظریفی کہ ہم نے اسلام کا نام لے کر اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا۔ ۲۳ سال میں ہم نے کیا پایا ہے؟ یہی کہ آج تک اس کے بنیادی نظریہ اور سالمیت کے خلاف کسی کو آواز اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی تھی لیکن اب نہ صرف یہ کہ اس کے بنیادی نظریہ کے خلاف ہر کس و ناکس کو زبان کھولنے کی اجازت مل گئی ہے بلکہ اس کی سالمیت اور استحکام کے خلاف بھی آوازیں اٹھنے لگی ہیں؛

قوم فرسودہ نظام تعلیم، اندھا دھند مغربی تقلید، فحاشی اور بے حیائی کی بدولت خدا سے غافل ہو کر جس طرح عیش کی دلدادہ ہو رہی تھی، اقتدار پسند لیڈروں نے اصلاح حال کی طرف توجہ دینے کی بجائے ان کی ذہنی کج روی اور سفلی جذبات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اصلاحی اور فکر انگیز تحریکوں کے علی الرغم ہوسِ اقتدار میں ان کو شدید جذباتی بنا دیا۔ اس طرح ان کے لئے اقتدار کی راہیں تو کھل گئیں لیکن قوم ان جذبات میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھی اور حسد و بغض کی آگ اور مادہ پرستی کے جذبات میں اپنی متاعِ حیات اسلام اور استحکامِ پاکستان سے غافل ہو گئی ــــــ جبکہ ان ہوس مندوں نے اسے قوم کی عظیم بیداری کا نام دیا؛

چونکہ حالیہ انتخابات میں طبقاتی اور علاقائی منافرت کے جذبات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا تھا اس لئے انتخابات کے بعد آئین سازی کے لئے جس اتحاد و یگانگت اور رواداری کی ضرورت تھی وہ مفقود ہے اور انتخاب میں کامیاب ہونے والی دو بڑی پارٹیوں کے لیڈر آئینی گتھیوں کو سلجھانے کیلئے بھی جذبات کی اسی ـــــ آگ کو ابھی تک بھڑکاتے چلے جاتے ہیں حالانکہ اب آئین سازی کیلئے

ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کی ضرورت ہے ؛

اس وقت قوم میں علاقائی اور طبقاتی سفلی جذبات اپنے عروج پر پہنچ چکے ہیں۔ انتخابات میں عظیم اکثریت سے کامیاب ہونے والے لیڈر ملک کو تباہی کے کنارے پر لے آئے ہیں۔ صدر یحییٰ خاں نے اگرچہ لیگل فریم ورک آرڈر میں اسلام اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لئے واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا تھا اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ملک کی سالمیت کے منافی آئین منظور نہیں کیا جائے گا لیکن انتخابات میں کامیابی کے بعد اب تک جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور جس قسم کے نکات پر اصرار کیا جا رہا ہے وہ واضح طور پر اس بات کی نشاندھی کرتے ہیں کہ یہ لوگ ملک و ملت کے وسیع تر مفاد کو نظر انداز کر کے من مانی کرنے پر تلے ہوئے ہیں حالت یہ ہے کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کے صرف چند روزہ التوا کے اعلان سے حالات اتنے مخدوش ہو رہے ہیں کہ پاکستان کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے ؛

یہ صورتِ حال جہاں پاکستانی عوام کے لئے پریشان کن ہے وہاں پاکستان کے دشمنوں کے لئے مژدۂ جانفزا ہے وہ حالات کو اور بگاڑنے کے لئے اپنی اپنی تدابیر میں مصروف ہیں خصوصاً ہندوستان اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اس نے پاکستان کو اس اندرونی خلفشار میں مبتلا دیکھ کر مختلف بہانوں سے پاکستانی سرحدوں پر اپنی فوجیں جمع کر دی ہیں ہماری فوجیں جن پر ہم ہر قسم کے حالات میں اعتماد کر سکتے ہیں اور وہ خدا کے فضل سے دشمنوں سے ہر محاذ پر نپٹنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اس وقت ان پر دوہری ذمہ داریاں آن پڑی ہیں کہ جہاں وہ پاکستان کے بیرونی دشمنوں کا دفاع کریں وہاں اندرونی انتشار پسندوں کے مذموم ارادے خاک میں ملا دیں

ان حالات میں پاکستان کے ہر بہی خواہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس

کرے اور پاکستان میں اندرونی اصلاح حال کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر دے اور فتنوں کے سدِباب کا تہیہ کرے تاکہ بیرونی دشمنوں کے ناپاک عزائم کا قلع قمع کیا جا سکے :

ہم اس وقت جس داخلی انتشار اور بیرونی دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں اس کا واحد سبب ہماری وہ کوتاہی ہے جو ہم سے اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے اس ملک میں اس کے نظریے کو عملی صورت نہ دینے میں سرزد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ایک فرد کو تو مدتوں تک ڈھیل دے دیتے ہیں لیکن قوم کو نہیں، یہ صورتِ حال دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ ہے وہ شاید ہمیں جھنجھوڑنا چاہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ پانی سر سے گذر جائے ہم اٹھیں اس کی طرف رجوع کریں اور خدا و خلق کے آگے ہم نے تحریک پاکستان چلاتے وقت جو عہد و پیمان باندھے تھے ان کو پورا کریں۔ ہمیں اس وقت اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو یہی ہے کہ ہم علاقائی تعصبات کو خیرباد کہیں اور اسلام کی بنیادوں پر مل بیٹھیں اور اس جال کو تار تار کرنے کی کوشش کریں، جو خود ہم نے نظریۂ پاکستان سے عملاً انحراف کر کے اپنے اردگرد پھیلا لیا ہے :

سالمیت ———————— اسلام

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ج (آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

اے ایمان والو! مقدور بھر اللہ کے لیے پرہیزگاری اختیار کرو اور تمہاری موت اسلام پر ہی ہونی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد رکھو کہ تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کے احسان سے (باہم) بھائی بھائی بن گئے۔

محققِ شہیر مولانا عبدالقادر عارف حصاری
تلخیص (ادارہ)

کیا سحری کی اذان مسنون ہے؟

کیا اذان کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان درست ہے؟

ہفت روزہ "اہلِ حدیث" لاہور مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۹۷۰ء (۱/۲۷: ۵) میں چند مسائل بطور سوال جواب درج ہیں۔ مفتی مولانا ابو البرکات احمد گوجرانوالہ ہیں اور جوابات کی تصدیق حضرت مولانا حافظ محمدؒ صاحب گوندلوی نے کی ہے۔ اس وقت میں ایک جواب پر تعاقب کر رہا ہوں جو ہدیۂ ناظرین ہے ـــــــ (حصاری)



مسئلہ ۱۔ رمضان المبارک میں جو سحری کی اذان کہی جاتی ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟

ب۔ اگر اذان کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر کے لوگوں کو بیدار کیا جائے تو کیا یہ جائز ہوگا؟ کتاب و سنت کی روشنی میں تحریر کریں:

مفتی صاحب کا جواب

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے حضرت بلالؓ اور ابن ام مکتومؓ۔ حضرت بلالؓ کی اذان کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ سحری کے لیے تھی یا فجر کے لیے؟ صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لیے تھی، کیوں کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سال بھر چلتی تھی، لہٰذا خاص سحری کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لوگوں کو سپیکر کے ذریعہ بیدار کرنے میں

کوئی حرج نہیں ہے، یہ امر بالمعروف کے ضمن میں آجاتا ہے۔"

ناظرین کرام!

یہ فتوٰی کتاب وسنت کی رو سے صحیح نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف کے نام پر اذان مسنونہ کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرنا بدعت ہے۔ اصل بدعت وہی ہے جو سنت کی جگہ رائج ہو جائے۔ لہٰذا اذان سحری کی بجائے درود وصلوٰۃ پڑھنا، نقارہ بجانا اور دیگر رسمی چیزیں ڈھونسہ، گولہ، سیٹی وغیرہ بدعت ہیں، البتہ اذان مسنونہ کو دور تک پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال درست ہے۔

میں پہلے سحری کی اذان کا ثبوت پیش کرتا ہوں پھر اس کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر دیگر اعلانات کا بدعت ہونا ثابت کروں گا۔

① عن عائشة ان بلالا كان يؤذن بليل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلوا واشربوا حتى يؤذن ابن امّ مكتوم فانه يؤذن حتى يطلع الفجر [1]

عائشہ کہتی ہیں، حضرت بلال رات کے وقت اذان دیا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا؛ تم سحری کے وقت کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ مؤذن ابن ام مکتوم اذان دے۔ وہ طلوع فجر سے پہلے اذان نہیں دیا کرتے تھے۔

اس صحیح حدیث (قطعی الثبوت، قطعی الدلالت) سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہیں۔

ا۔ عہدِ نبویؐ میں دو مؤذن مسجدِ نبویؐ میں مقرر تھے؛ ایک بلال ——— جو سحری کے وقت اذان کہتے تھے، دوسرے ابن مکتوم ——— جو طلوعِ فجر پر اذان دیا کرتے تھے۔

ب۔ فجر سے پہلے سحری کے وقت اذان کہنا مسنون ہے اور یہ بھی کہ یہ تعامل عہدِ نبویؐ میں جاری رہا کیوں کہ لفظ "کان یؤذن" ماضی استمراری ہے۔

[1] البخاری، کتاب الصوم

ج۔ سحری کی اذان کے وقت روزہ رکھنے والے کو کھانا پینا درست ہے جب کہ فجر کی اذان سے کھانا پینا بند ہو جاتا ہے۔

د۔ مسجد میں دو مؤذن[1] مقرر کرنے مسنون ہیں، ایک سحری کے وقت اذان دینے والا، دوسرا فجر طلوع ہونے پر اذان دینے والا۔ یہ اس لیے ہے کہ دو مختلف آوازوں سے اذانِ سحری اور فجر کا امتیاز ہو جائے۔

(۲) عن عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یقول: ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی تسمعوا اذان ابن ام مکتوم[2]

ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بلالؓ تو رات کے وقت اذان دیتا ہے اس لیے تم کھاتے پیتے رہو حتی کہ ابن ام مکتوم کی اذان سن لو۔

(۳) عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان بلالا یؤذن بلیل یوقظ نائمکم ولیرجع قائمکم[3]

ابن مسعودؓ نے آپؐ سے روایت کیا ہے کہ بلالؓ رات کو اذان کہتا ہے تاکہ سونے والے کو بیدار کرے اور قیام کرنے والا واپس لوٹ جائے۔

اس حدیث میں اذانِ سحری کا مقصد بیان کیا ہے۔

(۴) عن عائشۃ قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اذن بلال فکلوا

---

[1] عن ابن عمر، قال کان لرسول اللہ مؤذنان: بلال وابن ام مکتوم۔ مسلم ۱: ۳۴۹ منہ ۱۲۰۱۶۵

[2] مسلم ۱: ۳۴۹

[3] امام محمد بن الحسن الشیبانی (موطا امام محمد مترجم: ۱۳۸) اور حافظ ابن حزم المحلی ۲: ۱۱۷) نے وضاحت کی ہے کہ بلالؓ سحری کے وقت اذان دیتے تھے[4] النسائی ۱: ۱۰۵

واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم قالت: ولم یکن بینھما الا ینزل

ھذا ویصعد ھذا [1]

عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مؤذن اذان کہہ کر اترتا تھا تو دوسرا اذان کے لیے چڑھ جاتا تھا۔

اس حدیث میں دو اذانوں کا درمیانہ وقفہ (مبالغۃً) ذکر ہے۔ وقت کے اندازہ سے مقصد یہ ہے کہ نبیؐ اور ان کے صحابہؓ سحری دیر سے کھاتے تھے یعنی پہلی اذان پر کھانا شروع کرتے جب کہ فوری طور پر دوسری اذانِ فجر ہو جاتی۔

⑤ عن سمرۃ بن جندب قال: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال ولا الفجر المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی الافق [2]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم کو سحری کھانے سے بلال کی اذان اور صبح کاذب ——— جس میں سفیدی بلندی کی طرف اٹھنے والی ہوتی ہے ——— نہ روکے لیکن وہ صبح ——— جس میں سفیدی دائیں بائیں پھیلتی ہے ——— سحری کھانے سے مانع ہے۔

اس حدیث پر امام احمدؒ نے یوں عنوان لکھا ہے۔ باب وقت السحور واستحباب تاخیرہ یعنی سحری کا وقت اور اس کو دیر سے کھانے کا استحباب۔ اور مؤطا میں امام مالکؒ نے ایک باب یوں باندھا ہے قدر السحور من النداء یعنی اذان کے ذریعہ سے سحری کا اندازہ۔

خبیب بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میری پھوپھی ——— نے بیان کیا:

⑥ کان بلال وابن ام مکتوم یؤذنان للنبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا یؤذن بلیل، فکلوا واشربوا حتی یؤذن

---

[1] النسائی ۱:۴۷

[2] مسند احمد، مسلم

ابن ام مکتوم، فکنا نحبس ابن ام مکتوم عن الاذان، فنقول کما انت حتی نتسحر و لم یکن بین اذا نیھما الا ان ینزل ھذا و یصعد ھذا [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخص مؤذن مقرر کر رکھے تھے (جو اپنے اپنے وقت پر اذان دیا کرتے تھے) ایک بلالؓ اور دوسرا ابن ام مکتومؓ۔ نبیؐ نے فرمایا: بلالؓ رات کو (سحری کے وقت) اذان دیتا ہے۔ تم اس وقت تک کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے۔ ہم ابن ام مکتوم سے کہتے، ٹھہر جا! کہ ہم سحری کھالیں۔ دونوں اذانوں کے درمیان اتنا تھوڑا وقفہ ہوتا تھا کہ ایک اترتا تو دوسرا چڑھ جاتا۔

مولانا عبدالجلیل صاحب جھنگوی نے اپنے رسالہ اذان سحور کے ص۸ میں امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ:

"علماء کرام نے اس کی صورت یہ بتائی ہے کہ حضرت بلالؓ فجر سے پہلے سحری کی اذان دے کر ذکر دعاء وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔ جب دیکھتے کہ فجر ہونے کے قریب ہے تو اتر آتے اور ابن ام مکتوم کو اطلاع دیتے جو پوہ پھٹنے پر اذان دیتے۔"

پھر مولانا موصوف نے حجۃ اللہ البالغہ / ۱: ۱۹۲ سے نقل کیا ہے کہ:

"امام دو مؤذن ایسے مقرر کرے جن کی آواز لوگ پہچانتے ہوں اور لوگوں کے لیے ان کا تفصیلاً اعلان کر دے۔" (ملخصاً)

⑤ عن ابی محذورۃ قال: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) امناء المسلمین علی صلاتھم وسحورھم المؤذنون [2]

---

[1] مسند ابی داؤد الطیالسی / ۱: ۱۸۵

[2] السنن الکبریٰ للبیھقی / ۱: ۴۲۶ اور ایک روایت میں ہے۔ المؤذنون امناء اللہ علی فطرھم وسحورھم مجمع الزوائد / ۱: ۱۴۳ اور مشکوٰۃ میں ہے۔ عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصلتان معلقتان فی اعناق المؤذنین للمسلمین صیامھم وصلوتھم رواہ ابن ماجہ وقال القاری سندہ صحیح یہ دونوں حدیثیں

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ مسلمانوں کی نمازوں اور سحریوں پر امین ان کے مؤذن ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ اذانِ نماز کی طرح اذانِ سحری کے لیے بھی مؤذن مقرر ہوتا ہے جیسا کہ عہدِ نبوی میں تھا اور یہی عمل مسنون ہے۔

اذان مسنونہ کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان وغیرہ بدعت ہے۔

نیل الاوطار ۲: ۴۹ میں فتح الباری شرح البخاری سے نقل کیا ہے کہ:۔

"بعض حنفیہ نے اذانِ سحری کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ (اذان سحری) حقیقی اذان نہ تھی جو الفاظ مقررہ سے متعارف ہے بلکہ وہ تذکیر اور منادی کرنا تھا کما یقع للناس الیوم (جیسا کہ آج کل مروج ہے۔)"

حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:۔

"یہ بدعت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس اذان کے متعلق وارد حدیثیں باہم اس کے لفظ اذان کے ساتھ ہونے کو مضبوط کر رہی ہیں اور شرعی معنی (اذان کے الفاظِ مسنونہ) مراد لینا لغوی اور مجازی معنی سے مقدم ہے۔ نیز اگر اذانِ سحری الفاظِ مسنونہ کے ساتھ نہ ہوتی تو سامعین پر اس کے اذانِ فجر ہونے کا شبہ نہ ہوتا (جس کے زائل کرنے کے لیے وضاحت فرمائی۔)

ؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔ پہلی اذان نمازِ فجر کے لیے نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ دوسری غرض سے تھی جس کو شیخ نے بیرجیع تائمکرد یو تظ نائمکم سے بیان فرمایا ہے۔ مرعاۃ المفاتیح ۱: ۴۴۴

ادارۂ "محدّث"

اذان "تاذین" (باب تفعیل) کا حاصل مصدر ہے جس کے معنی "اعلان" کے ہیں۔ نمازوں کے لیے جو اذان کہی جاتی ہے، اس سے بھی مقصد اعلان ہی ہے لیکن شریعت میں جو کام دوسری عبادات کا وسیلہ ہیں وہ خود بھی عبادت ہیں جن پر ثواب ملتا ہے جیسا کہ وضو وغیرہ۔ اس لیے اگر اعلان کے لیے الفاظِ مسنونہ کی بجائے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں تو وہ عبادت نہ ہوں گے اور ان پر ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اذان کے الفاظِ مسنونہ پر اجر و ثواب کی احادیث کتبِ حدیث میں بہت موجود ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے صرف بخاری کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستهموا علیه لاستهموا علیه؛ الحدیث

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اذان اور پہلی صف کا ثواب جانتے پھر وہ قرعہ اندازی کے بغیر اس کا موقعہ نہ پا سکتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی سے ہی اس کا فیصلہ کرتے (کہ کون اذان کہے ہم ـــــــ)

معلوم ہوا کہ اذان کے الفاظ مسنونہ چھوڑ کر دیگر اعلانات سے یہ سب فضیلتیں جاتی رہیں گی۔ نیز جب نماز کے اعلان کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بات چیت ہوئی تو اس وقت صحابہ کی طرف سے مختلف تجاویز پیش ہوئی تھیں۔ کسی نے "ناقوس" کا ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"وہ نصاریٰ کے لیے ہے"

کسی نے "بوق" کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا:۔

"وہ یہود کے لیے ہے"

کسی نے آگ بلند کرنے کا ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا :۔

"وہ مجوس کے لیے ہے"

اس قسم کی تجاویز کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔

بعد ازاں عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ الانصاری نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے ایک شخص کے پاس ناقوس دیکھ کر اس سے بیچنے کے متعلق دریافت کیا تاکہ وہ اس سے نماز کا اعلان کریں لیکن اس شخص نے اعلان کے لیے اس سے بہتر کلمات (اذان) سکھائے۔ جب یہ خواب رسول اللہؐ سے ذکر ہوئی تو آپؐ نے نماز کے لیے یہی اذان مقرر فرما دی اور اس طرح سے یہ اذان مشروع ہو گئی۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔ یہی اذان حضرت عمرؓ نے بھی خواب میں سیکھی اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔

اب اگر مقصد صرف اعلان کرنا ہی ہو تو کیا نماز کے لیے بھی اذان کی بجائے دیگر اعلانات مثلاً "نماز تیار ہے" وغیرہ امر بالمعروف کے ضمن میں آ سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلان کے مقصد ہی سے شریعت نے یہ اذان مقرر کی ہے اور اہم موقعوں پر اس کا استعمال سکھایا ہے جو اعلان ہونے کے ساتھ عبادت بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں نماز کے علاوہ سحری کے لیے اور خطبۂ جمعہ شروع ہونے سے قبل جمعہ کی تیاری کے لیے، پہلی اذان کا ثبوت ملتا ہے۔ گویا صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سمجھا ہے کہ اگر کوئی اہم ضرورت ہو تو اعلان کے لیے الفاظ مسنونہ کو ہی استعمال کرنا چاہیے۔

مذکورہ بالا بیان میں ضمناً حضرت عثمانؓ کا جمعہ کی پہلی اذان رائج کرنا اور پھر اس کے رواج عام پانے کی حقیقت بھی واضح ہو گئی (و ثبت الامر علی ذلک) اسی طریقہ پر عمل رائج ہو گیا۔ (بخاری)

تصحیح

ماہنامہ "محدث" جلد ۱، عدد ۲، ۲ میں مضمون عشرہ ذی الحجہ۔ قربانی کے فضائل و احکام۔ اشاعت ذی القعدہ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کے ص ۳۲ سطر ۹ میں تصحیح فرما لیں۔ صحیح عبارت (سولہ باقی ماندہ حضرت علی کو دیے کی بجائے) ۳۷، باقی ماندہ حضرت علی کو دیے ——— ہے

(ادارہ)

از افادات شیخ التفسیر حضرت مولانا حافظ محمد حسین امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ علیہ



وٹہ سٹہ



ماہنامہ "محدث" لاہور شیخ التفسیر حافظ محمد حسین روپڑی، شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ روپڑی اور خطیب ملت حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمہم اللہ اجمعین کے باقیات الصالحات سے ہے۔ اس لیے ادارہ "محدث" گاہے بگاہے ان کے علمی اور تحقیقی مضامین شائع کرتا رہے گا تاکہ مرحومین کا فیض جاری رہے۔

زیر نظر مضمون شیخ التفسیر حافظ صاحب مرحوم کا ایک قلمی رسالہ ہے جو انہوں نے محقق شہیر مولانا عبد القادر عارف حصاری کے مطالبہ پر تحریر کیا تھا لیکن مرحوم اپنی علالت کی وجہ سے اس پر نظرِ ثانی نہ فرما سکے۔

ادارہ "محدث" نے مسودہ سے ضروری نکات جمع کر کے اسے مرتب کیا ہے اور مجلس التحقیق الاسلامی لاہور کے فاضل رکن حافظ ثناء اللہ مدنی نے بعض مقامات پر تعلیق کا اہتمام کیا ہے۔

یہ مضمون اگرچہ خاصا علمی ہے لیکن امید ہے کہ تحقیق و علم کے شائقین اس سے ضرور مستفید ہوں گے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا و لم یکن لہ شریك فی الملك و خلق کل شیء فقدرہ تقدیرا و صلی اللہ علی محمد النبی الامی المرسل الی الناس کافۃ بشیرا و نذیرا وعلی الہ و صحبہ و سلم تسلیما کثیرا

یہ رسالہ نکاح شغار میں ہے جسے پنجاب میں "نکاح وٹہ سٹہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شغار

یہ عربی لفظ ہے جو شرعاً نکاح باطل کی ایک قسم کے لیے مستعمل ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص اپنی متعلقہ عورت کا دوسرے شخص کو اس شرط پر نکاح دے کہ وہ بھی اسے اپنی متعلقہ کا نکاح دے ـــــ خواہ تقرر مہر ہو یا نہ[1]

شغار کی لفظی تحقیق

لغت میں اس کے اصلی معنی رفع یعنی اٹھانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے شغر[2] الکلب اذا رفع رجلها لیبول (کتے نے پیشاب کے لیے ٹانگ اٹھائی) اور جب باب مفاعلہ سے ہو تو رفع میں مشارکت مراد ہوگی۔ شغار باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کی تائید ابی ریحانہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ لفظ یہ ہیں :۔

---

[1] امام ابن حزمؒ نے المحلی (۹ : ۶۲۶) میں یہی تعریف ذکر کی ہے اس کے بعد امام مالک سے نقل فرماتے ہیں :۔ لا یجوز ھذا النکاح و یفسخ دخل بھا او لم یدخل و کذلک لو قال : انکحتک ابنتی علی ان تنکحنی ابنتک بمائۃ دینار فلا خیر فی ذلک. کہ یہ نکاح ناجائز ہے اور فسخ ہوگا خواہ زوجین جمع ہو چکے ہوں یا نہ اور یہی حکم ہے اس نکاح کا کہ کہے میں تجھے اپنی بیٹی کا نکاح دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے سو دینار مہر سے اپنی بیٹی کا نکاح دے۔ اس میں کوئی خیر نہیں۔

امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں۔

وقال بعض اھل العلم : نکاح الشغار مفسوخ ولا یحل وان جعل لھما صداق و ھو قول الشافعی و احمد و اسحاق کہ بعض اہل علم نے فرمایا : نکاح شغار فسخ ہوگا اور منعقد نہیں ہوگا۔ اگرچہ دونوں کے لیے مہر کا تقرر ہو اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا مذہب ہے۔

[2] عن ابن درید : شغر الرجل المرءۃ اذا رفع رجلیھا للنکاح (تاج العروس) قاموس میں ہے شغر ـ کمنع ـ الرجل المرءۃ شغورا رفع رجلھا للنکاح۔ شغر، رفع کے معنی میں ہو تو منع باب سے استعمال ہوتا ہے اور خلو کے معنی میں ہو تو نصر سے۔ ۱۲

ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نہی عن المشاغرۃ (اخرجہ ابو الشیخ فی کتاب النکاح)

یعنی حدیث میں شغار اور مشاغرہ دونوں لفظ آئے ہیں جو باب مفاعلہ کی مصادر ہیں۔ امام اللغۃ ابن قتیبہ رح شغار کے معنی میں فرماتے ہیں:۔

"کل واحد منھما یشغر عند الجماع"

شغار شرعی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ

"شغر البلد اذا خلا" (یعنی شہر محافظ سے خالی ہو گیا۔) سے ماخوذ ہے۔

اور اس کا اصل معنی بعد اور خلو ہے اور شغار کو مہر سے خالی ہونے کی وجہ سے شغار کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ مرجوح ہے کیوں کہ شغار (شرع میں) منقول ہے اور شغار لغوی منقول عنہ۔ منقول کی اپنے منقول عنہ سے مناسبت ضروری ہوتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو مناسبت تامہ پہلے محاورہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فریقین میں رفع رجل للجماع میں مشارکت مراد ہوگی جو شغر الکلب لیبول سے بہت مناسب ہے اور لغۃً میں شغر الرجلُ المرءۃ بھی مستعمل ہے لیکن شغر البلد سے ایسی مناسبت حاصل نہیں کیونکہ نکاح کے مہر سے خالی ہونے کی حیثیت ثانوی ہے۔

شغار کی معنوی تحقیق

شغار کی دو صورتیں ہیں: (۱) شغار بہ تقرر مہر (۲) شغار بلا تقرر مہر

۱؎ حافظ صاحب رح نے اس حدیث کو بطور لغوی شاہد کے ذکر فرمایا ہے کیونکہ الفاظ حدیث لغوی طور پر ٹھیک ہیں لیکن حدیث سنداً ضعیف ہے۔

۲؎ بعض علماء میں جو شغر المہر کا محاورہ مشہور ہے۔ یہ عربی لغت میں مستعمل نہیں اس لیے شغار میں فریقین سے مہر کا رفع مراد لینا غلط ہے۔ ۱۲

حدیث نمبر ۱

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شغار سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ مسند احمد اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے:۔

نهى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) عن الشغار، والشغار ان يقول الرجل زوجني ابنتك وازوجك ابنتي او زوجني اختك وازوجك اختي

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ ایک شخص (دوسرے سے) کہے کہ میں تجھے اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دیتا ہوں (اس شرط پر) کہ تو مجھے اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح دے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہؓ نے نکاح شغار کی جو تفسیر روایت کی ہے۔ اس میں آپ نے تقرر اور عدم تقرر مہر کی کوئی شرط نہیں لگائی۔

شبہ

اگر کوئی کہے کہ شغار کی یہ تفسیر حضرت ابوہریرہ کی ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں۔

ازالہ شبہ

جواب دو طرح سے ہے:۔

اولاً: یہ ظاہر کے خلاف ہے کیوں کہ جب حدیث کا پہلا حصہ مرفوع ہے تو دوسرا (تفسیر شغار) بھی مرفوع ہوگا دوسرے حصہ کو موقوف ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔ اگر یہ شبہ اس وجہ سے وارد ہوا ہے کہ تفسیر شغار کے الفاظ ابوہریرہؓ کے بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ پہلا حصہ ان کے الفاظ میں جس کا مفہوم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہی ہے تو اس کی وضاحت یوں ہے کہ مرفوع حدیث کے لیے صرف مفہوم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہونا ضروری ہوتا ہے۔ الفاظ کبھی صحابیؓ کے ہوتے ہیں اور کبھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے۔ صحابی اس مفہوم کے لیے اگر اپنے الفاظ بھی استعمال کرے تو حدیث مرفوع ہی ہوگی۔ جیسا کہ پہلے حصہ حدیث میں مسلّم ہے۔ نیز دوسرے حصہ کے لیے کوئی ایسا

اشارہ بھی نہیں جس سے ثابت ہو کہ ابوہریرہؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الفاظ نقل نہیں کیے بلکہ اپنے لفظوں میں شغار کی تفسیر کی ہے۔ اس قسم کے کمزور شبہات سے اس کو ابوہریرہؓ پر موقوف نہیں بنایا جا سکتا۔

ثانیاً۔ اگر بالفرض یہ تفسیر لفظاً موقوف ہو پھر بھی حکماً مرفوع ہے کیونکہ ابوہریرہؓ اہل لسان ہیں۔ ان دنوں کے مروجہ شغار سے خوب واقف تھے اور صحابی کے لیے غالب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس نے یہ معنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سمجھے ہیں۔ اسی بنا پر ایسی موقوف حدیث حکماً مرفوع سمجھی جاتی ہے۔ کما تقرر فی الاصول

حدیث نمبر ۲

مسلم میں ابن عمرؓ اور ابن حبان میں انسؓ سے روایت ہے:

لا شغار فی الاسلام (یعنی اسلام میں شغار نہیں ہے۔)

اس حدیث میں لائے نفی جنس اسلام میں ایسے شغار کے وجود اور انعقاد کی نفی کر رہا ہے اور اس حدیث میں ان لوگوں کی صاف تردید ہے جو ناجائز تو کہتے ہیں مگر نکاح کے واقع ہو جانے کے قائل ہیں۔

لائے نفی جنس بطلان کی دلیل ہے۔

جمہور نحاۃ کے نزدیک لائے نفی جنس حرف ہے جو کسی شی کی جنس کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے اور اس معنی کے لیے نص ہے۔ بنو تمیم اسے فعل منفی (انتفی) کے معنی میں لیتے ہیں اور "لا" کی خبر کو صفت بناتے ہیں۔

دونوں صورتوں میں لا شغار فی الاسلام کے الفاظ شغار کے بطلان کی دلیل ہیں۔ جو سلب کلی کا صور (علامت) ہونے کی وجہ سے شغار کے ہر فرد شغار بہ تقرر مہر اور شغار بغیر تقرر مہر کو باطل قرار دیتا ہے۔

بعض لوگ نکاح شغار کو معتبر قرار دینے کے لیے لا، کی خبر کی تقدیر ایسی کرتے ہیں جس سے حرام ہونے کے باوجود نکاح منعقد ہو جائے۔ حالانکہ وہ عربیت سے ناواقف ہیں کیونکہ لائے نفی جنس کی تقدیری خبر کا قانون حسب ذیل ہے:۔

"خبر یا تو مطلق (افعال عامہ سے) ہو گی یا مقید، مقید کی دو صورتیں ہیں یا تو مقید بظرف ہو

گی یا متقید بغیر ظرف یعنی افعال خاصہ سے ہوگی۔ افعال خاصہ کی صورت میں اس کا حذف منع ہے باقی صورتوں میں حذف بہت ہے"

اب وجود شغار باقی رکھنے کے لیے لا شغار فی الاسلام میں خبر افعال خاصہ سے بنانی عربیت کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں حذف خبر منع ہے۔ حالانکہ یہاں خبر محذوف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں خبر افعالِ عامہ سے ہے۔

لائے نفی جنس کی طرح نہی بھی تحریم اور بطلان کے لیے ہے۔

نہی میں اصل تحریم ہے جیسا کہ خطابی نے "معالم السنن" میں کہا ہے اور اس نکاح کو ایسا ہی باطل قرار دیا ہے جس طرح نکاح متعہ اور لڑکی پر اس کی خالہ اور پھوپھی کا نکاح باطل ہے۔ امام شافعیؒ نے "کتاب الام" میں شغار اور متعہ میں صحۃ اور عدم صحۃ کا فرق کرنے والوں کی کلام کا تفصیلی معارضہ پیش کیا ہے اور امام بخاریؒ نے اسے ناجائز حیلہ قرار دیا ہے۔

اس نہی کو اصل معنی تحریم اور بطلان سے پھیرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح لائے نفی جنس کو اصلی معنی سے پھیر کر مبالغہ[2] قرار دینا بے دلیل ہے۔

تحریم شغار اور اجماع علماء

مذکورہ بالا احادیث سے مطلق شغار کی ممانعت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہو چکی ہے نبیؐ نے بہ تقرر مہر اور بغیر تقرر مہر کا کوئی فرق نہیں کیا لیکن بعض علماء نے شغار کی مذکورہ بالا نبوی تفسیر سے واقف نہ ہونے کی بناء پر اس کی تعریف میں اختلاف کیا ہے جبکہ شغار کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ امام نوویؒ نے

---

[1] افعال خاصہ۔ وجود، ثبوت، کون، حصول اور استقرار ہیں ۱۲

[2] بعض لوگ کہتے ہیں کہ لائے نفی جنس ——————— وجود شے کی نفی تو کرتا ہے لیکن کبھی نفی وجود سے مقصد مبالغہ ہوتا ہے۔ حافظ صاحب اسی کی تردید کر رہے ہیں کہ یہ مجاز کی قسم سے ہے جو یہاں نہیں بن سکتی کیونکہ حقیقی معنی سے مجازی کی طرف مجبور کرنے والی یہاں کوئی دلیل نہیں جس کا ہونا ضروری ہوتا ہے ۱۲

فرماتے ہیں:۔

"اس پر سب متفق ہیں کہ نکاح شغار ناجائز ہے"۔ [۱]

شغار کی تعریف میں بعض علماء کی غلطی کی وجہ سے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مطلقاً ممانعت ذکر کرنے کے بعد الگ الگ احادیث سے بھی شغار کی دونوں صورتوں کی حرمت بیان کر رہا ہوں جو حسب ذیل ہے۔

نکاح شغار بہ تقرر مہر

عن عبد الرحمن بن هرمز الاعرج ان العباس ابن عبد الله بن العباس انكح بن الحكم ابنته و انكحه عبد الرحمن بنته و قد كانا جعلا صداقا فكتب معاوية بن ابي سفيان الى مروان بن الحكم يامره بالتفريق بينهما و قال في كتابه: هذا الشغار الذي نهى عنه رسول الله (صلى الله عليه وسلم) اخرجه [۲] احمد و ابو داؤد

---

[۱] حافظ ابن عبد البر سے بھی یہی منقول ہے۔ مبسوط للسرخسی اور ہدایہ وغیرہ کی عبارات سے یہ وہم ہوتا ہے کہ حنفیہ شغار کی حرمت کے قائل نہیں جس کی وضاحت یوں ہے کہ متقدمین حنفیہ اس کے ناجائز ہونے میں تو دوسرے علماء سے متفق ہیں لیکن اس کی صحت و انعقاد کے قائل ہیں اور نکاح شغار کو (جب کہ وہ کر لیا جائے) صحیح قرار دے کر مہر مثل واجب کرتے ہیں اور فرمانِ نبوی کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ جب مہر مثل واجب ہو گیا تو نکاح شغار نہ رہا کیوں کہ ان کے نزدیک شغار وہ ہوتا ہے جو نکاح بلا مہر ہو۔ لیکن یہ حیلہ عملی طور پر یہ صورت اختیار کر گیا ہے کہ ان کے نزدیک شغار جائز نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کی عبارتیں اکثر جواز کا وہم ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے حیلوں سے بچائے جو نام کے پھیر سے حرام کا مرتکب بنائے۔ آمین

[۲] اگر کہا جائے کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق مدلس ہے تو جواب یہ ہے۔ اس نے یہ روایت "حدثنی" سے کی ہے لہذا یہ روایت صحیح ہے ۱۲

عبدالرحمٰن الاعرج سے روایت ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمٰن بن الحکم کو اپنی بیٹی کا نکاح دیا اور عبدالرحمٰن بن الحکم نے عباس بن عبداللہ کو اپنی بیٹی کا اور دونوں نے مہر بھی رکھا پس معاویہؓ نے مروان بن الحکم کو ان کے درمیان جدائی کرا دینے کا حکم لکھا اور اپنی چٹھی میں لکھا کہ یہ وہی شغار ہے جس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح مبادلہ بہ تقرر مہر شغار ہی ہے[1]

شبہ

اگر کوئی کہے کہ منتقی مع شرح نیل الاوطار میں وقد کانا جعلاہ صداقا کی جگہ وقد کانا جعلاہ صداقا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں جعل مرکب ہے جس کا پہلا مفعول (ضمیر) محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ انہوں نے اسی نکاح کو مہر قرار دیا تھا جو عدم تقرر مہر ہی کی صورت ہے۔

ازالہ شبہ

وقد کانا جعلاہ صداقا (ضمیر کے ساتھ) نقل کی غلطی ہے۔ منتقی متن کے نسخوں، مسند احمد اور ابو داؤد اصل کتابوں میں وقد کانا جعلا صداقا (بغیر ضمیر کے) ہے نیز اسے محذوف جاننا قواعد عربیہ کے

---

[1] مالکی فقہ کی معتبر کتاب مختصر الخلیل ص۱۲۶ میں ہے۔

او کزوجنی اختک بمائۃ علی ان ازوجک اختی بمائۃ وھو وجہ الشغار

یا مجھے اپنی بہن کا ایک سو (مہر) میں نکاح دے (اس بدلہ میں) کہ میں تجھے ایک سو (مہر) میں اپنی بہن کا نکاح دیتا ہوں۔ یہ شغار ہی کی ایک صورت ہے ——— قاضی ابوبکر بن العربی نے بھی عارضۃ الاحوذی میں نکاح بہ تقرر مہر کو شغار منہی عنہ ہی کی ایک صورت لکھا ہے۔

[2] علامہ خلیل احمد سہارنپوری حنفی بذل المجہود شرح ابی داؤد (۳: ۱۰) میں رقمطراز ہیں۔

ھکذا فی جمیع نسخ ابی داؤد بغیر الضمیر وکذا فی النسخۃ المصریۃ لمسند الامام احمد مثل ما فی ابی داؤد ووجدت فی ماکتب الشوکانی من نسخۃ منتقی الاخبار وقد کانا جعلاہ صداقا بالضمیر

خلاف ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ:۔

"جعل دو قسم کا ہوتا ہے ا۔ بسیط ۲۔ مرکب۔ جعل مرکب مبتدا خبر کے افعال سے ہے اور فعل تحویل کہلاتا ہے۔ اگر بغیر قرینہ کے اس کا مفعول حذف کیا جائے تو تحویل کے معنی واضح نہ ہوں گے نیز پہلا مفعول معنی مبتدا ہے جس کا تعین و تخصص ہونا چاہیے اور حذف میں ابہام پایا جاتا ہے۔ حذف سے جعل (مرکب) کا جعل البسیط) سے التباس بھی لازم آئے گا جو مانع حذف ہے۔ نیز ضرورت کے بغیر حذف فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب کہ التباس ہو۔ اس لیے یہاں کوئی مفعول (ضمیر) محذوف نہیں بلکہ جعل (بسیط) ہے اور وقد کانا جعلا صداقا کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں نے مہر رکھا تھا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار مع تقرر مہر سے منع فرمایا ہے اور حضرت معاویہؓ نے جو تفریق کا حکم دیا وہ نبیؐ کے فرمان کے مطابق تھا۔ "نہی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ اس کے مرفوع ہونے کی دلیل ہیں۔ باقی رہا یہ وہم کہ شاید حضرت معاویہؓ نے یہ اپنی طرف سے کیا ہے، ناقابلِ التفات نہیں کیوں کہ جس طرح صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کرے تو حدیث مرفوع ہوتی ہے اسی طرح وہ مفہوم بیان کرے تو بھی مرفوع ہوگی۔ یہاں امیر معاویہؓ نے اپنا مفہوم بیان کیا ہے۔

وضاحت

حدیث کے الفاظ "ہذا الشغار" میں مبتدا خبر دونوں معرفہ ہیں اور ایک معرف باللام ہے۔ اس لیے معرف باللام محصور ہے اور یہ حصر ادعائی ہے جس سے مبالغہ مراد ہے یعنی اس صورت (مع تقرر مہر) کا شغار میں داخل ہونا ایسا یقینی ہے، جیسا کہ صرف یہی شغار (ممنوعہ) ہے۔ اس مبالغہ سے مقصد حضرت معاویہؓ کا یہ ہے کہ اس صورت کے شغار سے خارج ہونے کا کسی قسم کا شبہ نہ کیا جائے۔

نکاح شغار بلا تقرر مہر

حدثنی نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الشغار،

۱؎ المنتقی شرح الموطا (۴: ۳۰۲) میں ہے: واذا استقل الکلام دون ضمیر لم یجز تعدیها الا بدلیل

قلت لنافع: ما الشغار؟ قال ينكح ابنة الرجل وينكحه ابنته بغير صداق، وينكح اخت الرجل وينكحه اخته بغير صداق اخرجه البخاري (في كتاب الحيل وفي باب الشغار) ومسلم واحمد وابو داؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه ولفظ ابي داؤد زاد مسدد في حديثه قلت لنافع وما الشغار؟ الحديث

عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ نافع نے مجھے عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ میں نے نافع سے کہا، شغار کیا ہے؟ کہا، ایک شخص دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے اور اسے بغیر مہر کے اپنی بیٹی کا نکاح دیتا ہے اور کسی کی بہن سے نکاح کرتا ہے اور اسے اپنی بہن کا نکاح بغیر مہر کے دیتا ہے۔ اسے جماعت نے روایت کیا اور ابوداؤد کے لفظ یہ ہیں۔ زاد مسدد فی حدیثہ قلت لنافع: ما الشغار؛ یعنی مسدد نے اشغار کی ممانعت کے ذکر کے بعد اور شغار کی تعریف سے قبل) زیادہ کیا ہے۔ میں نے نافع سے پوچھا، شغار کیا ہے؟" یعنی بعد والی شغار کی تعریف نافع نے کی۔

یہ تعریف جو نافع نے کی ہے ـــ شغار کی وہ صورت ہے جس میں مہر مقرر نہیں ہوتا، یہ تفسیر شغار اگرچہ نافع کی ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شغار مطلق (بہ تقرر مہر و بلا تقرر مہر) سے منع کرنا حدیث ابی ہریرہؓ میں گزر چکا ہے۔ اس لیے نافع کی بیان کردہ صورت بھی شغار ممنوعہ کی ایک شکل ہے۔

طبرانیؒ وغیرہ کتب حدیث میں نکاح شغار کے بیان میں جن احادیث میں "لا صداق بینھما" یا "بغیر صداق"

ہ طبرانی میں ابی بن کعب سے جو مرفوع روایت ہے اس میں یوسف بن خالد السمی ہے جو ضعیف ہے اور سند بھی منقطع ہے (مجمع الزوائد ۴/۲۶۶/۱۹) حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب (۱۱/۴۱۲، ۴۱۲) میں لکھتے ہیں۔ قال معاویہ بن صالح عن ابن معین: ضعیف، وقال عبد اللہ بن احمد عن ابن معین کذاب خبیث عدو اللہ تعالیٰ، وقال الدوری عن ابن معین: کذاب زندیق لا یکتب حدیثہ۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور تلخیص الجبیر میں اس تفسیر کے متعلق جو فرمایا ہے لیستأنس بہ فی ہذا المقام وہ اس وقت درست تھا جب نافع کی تفسیر مرفوع ہوتی اور اس حدیث کی تائید کرتی ۱۲ منہ

وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہ سب شغار کی مذکورہ بالا منہی عنہ صورت کا بیان ہے اگرچہ وہ احادیث ضعیف ہیں [1]

تفریق

مندرجہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نکاح شغار باطل ہے اور اگر ایسا نکاح ہو جائے تو منعقد نہیں ہوگا اور تفریق (جدائی) کرائی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے کرائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا شغار فی الاسلام کا یہی مطلب ہے۔

نوٹ: نکاح شغار، نکاح مبادلہ اور نکاح وٹہ سٹہ ایک ہی ہیں اور نکاح میں ایسی بشروط نکاح کو باطل کر دیتی ہیں خواہ وہ نکاح کے وقت ہوں یا اس سے قبل کیونکہ نکاح سے قبل کی ہوئی شرط بھی نیت میں ہوتی ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

[1] شغار کی تفسیر میں بعض رواۃ حدیث اور ائمہ لغت لا صداق بینہما وغیرہ کی جو قید ذکر کرتے ہیں یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، کیونکہ عام طور پر نکاح شغار بغیر مہر کے ہی ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نکاح میں اصل تبادلہ عورت ہے۔ مہر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

پروفیسر عبد القیوم ایم اے

برِّصغیر پاک و ہند میں

اشاعتِ حدیث

ہمارے حالات اور ہماری ضروریات کے پیشِ نظر علمِ حدیث کی نشر و اشاعت اور ترویج و خدمت کے تین اہم ذرائع ہیں :

- درس و تدریس
- تالیف و تصنیف، و ترجمہ اور
- طباعت و اشاعت

برصغیر پاک و ہند میں ان تینوں طریقوں پر ایک مدت سے کام ہو رہا ہے۔

حدیث و سنت کی شرعی، دینی، علمی، ثقافتی اور تاریخی اہمیت اہل علم اور اصحاب بصیرت کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ انہی وجوہ و اسباب کی بنا پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی سنت اور حدیث کی اشاعت و ترویج بدرجۂ غایت محبوب و منظور تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے فرمایا تھا :

ترکت فیکم امرین کتاب اللہ و سنتی، لن تضلوا ما تمسکتم بھما

(کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت، جب تک تم ان دونوں سے وابستگی رکھو گے، گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔)

ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا :

نضر اللہ وجہ امرئٍ من سمع و وعاد بلغ (او کما قال)

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق و تابندگی عطا فرمائے جس نے میری حدیث سنی اور یاد رکھی، پھر دوسروں تک پہنچائی۔

یہاں بھی سماعت و روایتِ حدیث کے سلسلے کو قائم کرنے اور جاری رکھنے والوں کے لیے دعا فرمائی ہے۔ اس ضمن میں حزم و احتیاط کی تلقین فرماتے ہوئے مفتری اور کذاب کے عواقب سے خبردار کر دیا اور بتا دیا کہ روایتِ حدیث میں کذب بیانی اور افترا کی سزا دوزخ ہے۔

اسی پاک مقصد کے پیشِ نظر کئی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو قلمبند کر کے محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور پھر بعد میں آنے والے ہر دور میں اہلِ علم و فضل نے احادیث کو اپنے اپنے حسنِ انتخاب اور ذوقِ نظر کو ملحوظ رکھ کر کتبِ احادیث کی تالیف و تدوین کی۔

جب کسی علم و فن کی نشر و اشاعت کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے سامان بھی مہیا کر دیتا ہے۔ مشیتِ الٰہی نے جب اس سرزمین کو خدمتِ حدیث اور اشاعتِ سنت کے لیے پسند فرمایا تو ابتدا سے اس کے لیے مناسب و موزوں انتظام بھی فرما دیا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں نے اپنے قدم اس برصغیر کی سرزمین میں رکھے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ بمبئے کے ساحلی علاقے تھانہ میں پہنچا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک وفد سندھ کے کوائف و حالات معلوم کرنے کے لیے یہاں آیا۔ بعد میں مسلمان برابر اس برصغیر میں آتے جاتے رہے۔ رجال کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر قائدینِ لشکر، سپہ سالار اور ان کے کئی فوجی سپاہی رواۃِ حدیث میں شمار ہوئے ہیں۔ جب خلیفہ ولید بن عبد الملکؒ کے عہد میں محمد بن قاسمؒ نے بلادِ سندھ کی فتح کو ایک حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا تو ان کے ہمراہ بہت سے اتباع التابعین اس برصغیر بالخصوص سندھ میں داخل ہوئے۔

بعد میں بہت سے اور حضرات بھی بعض سیاسی اور دینی وجوہ کی بنا پر اس ملک میں آ بسے اور اپنے ساتھ علم حدیث بھی سرزمینِ سندھ میں لائے۔

ان میں سے بعض نے تو حفظ و روایت میں شہرت پائی اور بعض نے تصنیف و تالیف میں نام پیدا

کیا۔ اس مقدس گروہ کے نامور بزرگوں میں :۔

موسیٰ بن یعقوب، الثقفی رح — یزید بن ابی کبشہ رح

المفضل بن المہلب رح — ابو موسےٰ اسرائیل بن موسےٰ البصری رح

عمرو بن مسلم الباھلی رح — منصور بن حاتم نحوی رح

ابراہیم بن محمد دیبلی رح — احمد بن عبداللہ دیبلی رح

ابوالعباس احمد بن محمد المنصوری رح

خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آخر الذکر بزرگ منصورہ کے قاضی، متنذر عالم دین اور صاحبِ تالیف و تصنیف تھے اور بقول بعض تمسک بالحدیث اور عمل بالسنت کے باعث لوگ انہیں امام داؤد بن علی ظاہری کے مسلکِ فکر کے پیروکار تصور کرتے تھے۔

امتدادِ زمانہ سے حدیث کے چرچے کم ہو گئے۔ کتاب و سنت کے تبحر علماء شاذ شاذ نظر آنے لگے۔ حدیث و سنت کے طلبہ کی تعداد بہت قلیل ہو گئی۔ سلاطینِ غزنویہ اور شاہانِ غوریہ کے عہدِ حکومت میں دیگر علوم نے زیادہ رواج پا لیا۔ طلبِ حدیث کا ذوق کم سے کم تر ہوتا چلا گیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ لے دے کر صغانی کی مشارق الانوار علمائے حدیث کا سرمایۂ علم ٹھہری اور اگر کسی نے بڑی ہمت کی اور مصابیح السنہ اور مشکوٰۃ المصابیح تک رسائی حاصل کر لی تو اس نے سمجھا کہ محدث کا درجہ مل گیا ہے۔ اس اندازِ فکر اور طریقِ عمل سے علم حدیث سے وابستگی اور دل بستگی کم ہو گئی۔ کتبِ صحاح ایسے اہم مصادرِ حدیث سے واقفیت نہ رہی۔ پھر یہ دور بھی آیا کہ مشکوٰۃ پڑھنے والے بھی بطورِ تبرک پڑھتے، فہم و عمل کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

جب علمائے کرام کی توجہ کتاب و سنت سے ہٹ کر دوسرے علوم کی طرف ہو گئی۔ تو کتبِ حدیث کی جگہ کتبِ فقہ نے لے لی۔ اور وہ بھی علمی اور اجتہادی انداز میں نہیں بلکہ تقلیدی اور تدریسی انداز میں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس برصغیر میں قرآن و حدیث کے بجائے کتبِ فتاویٰ پر اعتماد و انحصار ہونے لگا۔

بایں ہمہ سرزمین پنجاب میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح (م ۶۶۶ھ) اور ان کے جانشین شیخ جمال الدین محدث رح اور شیخ رکن الدین رح بن شیخ صدر الدین رح ملتان میں اور سید جلال الدین بخاری رح مخدوم جہانیاں ——

(م ۷۹۵ھ) اُچ میں حدیث و سنت کی شمعیں جلائے نظر آتے ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنے اپنے حلقوں میں درسِ حدیث کو جاری رکھ کر سنت نبوی اور درس و تدریسِ حدیث کو زندہ رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے تو مسنون دعاؤں کا ایک مجموعہ تالیف فرما کر ادعیۂ ماثورہ کو رواج دیا۔

ان مساعی کے باوجود علمِ حدیث سے سرد مہری اور بے توجہی کی عام حالت نویں صدی ہجری کے آخر تک رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حالات سازگار بنا دیے۔ کئی بزرگانِ دین حدیث و سنت کی شمعیں روشن کرنے کے لیے اس برصغیر میں تشریف لائے۔ لیکن انہوں نے احمد آباد کے علاقے کو اپنی مساعی کا مرکز بنایا۔

ان بزرگوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔

- شیخ عبد المعطی بن حسن بن عبد اللہ باکثیر المکیؒ (متوفی احمد آباد ۹۸۹ھ)
- شیخ احمد بن بدر الدین المصریؒ (متوفی احمد آباد ۹۹۲ھ)
- شیخ محمد بن احمد بن علی الفاکہی حنبلیؒ (متوفی احمد آباد ۹۹۲ھ)
- شیخ محمد بن محمد عبد الرحمٰن المالکی المصریؒ (متوفی احمد آباد ۹۱۹ھ)
- شیخ رفیع الدین چشتی شیرازیؒ (متوفی اکبر آباد ۹۵۴ھ)
- خواجہ میر کلاں ہرویؒ (متوفی اکبر آباد ۹۸۱ھ)

بعض علمائے کرام نے حرمین شریفین جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ پھر وطن واپس آ کر اس مقدس علم کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس میں سرگرم عمل رہے۔ مثلاً شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ سندھیؒ اور شیخ رحمۃ اللہ بن عبد اللہ ابراہیم سندھیؒ نے حجاز جا کر تحصیلِ علمِ حدیث کیا۔ واپسی پر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور گجرات کاٹھیاوار کے علاقے میں مدت العمر درسِ حدیث دینے کے بعد پھر حجاز کو ہجرت فرمائی اسی طرح:۔

شیخ یعقوب بن حسن کشمیریؒ (متوفی ۱۰۰۳ھ) — شیخ جوہر کشمیریؒ (م ۱۰۲۶ھ)
شیخ عبد اللہ بن شمس الدین سلطانپوریؒ — شیخ قطب الدین عباسی گجراتیؒ
شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ — اور سید عبد الاول بن علی بن علاء الحسینیؒ

اس بابرکت گروہ کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں

شیخ محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) بڑے بالغ نظر عالم اور فنونِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ غریب الحدیث میں "مجمع البحار"، اسماء الرجال میں "المغنی" اور موضوعات میں "تذکرہ" تصنیف فرمایا۔ ان کی ان تھک کوششوں سے علم حدیث کا پھر رواج ہوا اور علماء نے اس اہم مصدرِ شریعت کی جانب پھر سے توجہ فرمائی۔

شیخ علی متقی گجراتی (م ۹۷۵ھ) نے بھی قابلِ قدر اور لائق تحسین خدمات سرانجام دیں، لیکن ملک کے سیاسی حالات کے پیشِ نظر وہ حجاز میں جا بیٹھے اور وہیں خدمتِ حدیث میں مصروف رہے۔ آپ کی یادگار تالیف کنز العمال ہے۔

اسی طرح شیخ عبد الاول بن علی بن علاؤ الدین الحسینی (م ۹۶۸ھ) نے اپنے دادا شیخ علاؤ الدین ایسے فضیلت مآب محدث سے علم حدیث پڑھا اور پھر درس و تدریس کے ذریعے اس بابرکت علم کو رواج دیا۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری اپنی یادگار چھوڑی۔ ان کے نامور تلامذہ میں شیخ طاہر بن یوسف سندھی (م ۱۰۰۴ھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے برہان پور میں مدت العمر درسِ حدیث دیا اور علماء کی کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔

پھر شیخ عبد الحق بن سیف الدین البخاری دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کا دور شروع ہوا۔ دہلی میں مدت العمر درسِ حدیث دیا۔ تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعے نشر و اشاعتِ حدیث کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔

شیخ نور الحق (بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی) المتوفی ۱۰۷۳ھ، شیخ الاسلام شارح بخاری اور شیخ سلام اللہ صاحب المحلی و الکمالین نے بھی خدمات انجام دیں۔

شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی (مجدد الف ثانی) امام طریقہ مجددیہ، اور ان کے صاحبزادے محمد سعید شارح مشکوٰۃ کی خدمات بھی بڑی گراں قدر ہیں، بالخصوص ان کی اولاد میں فرخ شاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

"انہیں ستر ہزار احادیث متن، اسناد اور جرح و تعدیل کے ساتھ حفظ تھیں"۔

مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے سراج احمد سرہندیؒ ثم رامپوری نے جامع الترمذی کی شرح لکھی۔

اسی طرح شیخ محمد اعظم بن سیف الدین معصومی سرہندیؒ نے صحیح بخاری کی شرح قلمبند کی۔

اس برصغیر میں اشاعتِ حدیث کے سربراہوں میں شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ بھی ہیں جو شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندیؒ کے جلیل القدر رفقاء اور تلامذہ میں سے تھے۔ ان سے حدیث پڑھنے کے بعد حجاز جا کر شیخ سالم بن عبد اللہ البصری المکیؒ سے تحصیلِ حدیث کی، وطن واپس آ کر دہلی میں اقامت اختیار کی اور تدریسِ حدیث کے لیے زندگی وقف کر دی۔

شیخ صفۃ اللہ رضوی خیر آبادیؒ نے حجاز پہنچ کر شیخ محمد بن ابراہیم الکردی المدنیؒ سے علم حدیث حاصل کیا اور وطن واپس آ کر خیر آباد میں تدریسِ حدیث کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

شیخ محمد فاخر بن یحییٰ العباسی الہ آبادیؒ نے شیخ محمد حیات سندی مدنیؒ سے علم حدیث حاصل کیا اور اس مقدس علم کی نشر و اشاعت کے لیے کمربستہ ہو کر مصروفِ عمل ہو گئے۔

شیخ خیر الدین سورتیؒ نے بھی شیخ محمد حیات سندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور تحصیلِ حدیث کے بعد اپنے شہر سورت میں برابر پچاس برس درسِ حدیث دیا۔ کثیر التعداد علماء نے فیض پایا۔

پھر طائفۂ اہلِ حدیث کے سرخیل اور برصغیر پاک و ہند کے محدثین کے زعیم، حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ بن عبد الرحیم العمری دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا دور شروع ہوا۔ شاہ صاحبؒ موصوف نے حجاز پہنچ کر استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنیؒ اور دیگر ائمۂ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا۔ وطن واپس آ کر دہلی میں مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے اور علم حدیث کی نشر و اشاعت شب و روز کوشاں رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی خدمتِ حدیث بجا لائے۔ کتاب و سنت کے نور کو عام کر دیا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں فقہی امور میں تطبیق پیدا کی اور آج کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرچے انہی کے دم قدم کا نتیجہ ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی اولاد میں سے شاہ عبد العزیزؒ، شاہ عبد القادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ

نے علم حدیث کے پرچم کو چار دانگ ملک میں لہرایا اور سربلند کیا۔

شاہ محمد اسحاقؒ بن محمد افضل العمریؒ سبط شاہ عبد العزیزؒ نے اپنے نانا شاہ عبد العزیزؒ سے علم حدیث حاصل کیا۔ درس و تدریس کے ذریعے خدمتِ حدیث کی اور کثیر التعداد علماء نے موصوف سے استفادہ کیا اپنے زمانے میں استاذِ شیوخِ حدیث کہلائے۔

شیخ عبد الحق بن فضل اللہ عثمانیؒ (متوفی ۱۲۷۶ھ) نے دہلی میں خاندانِ ولی اللہ کے علاوہ صنعاء یمن میں جاکر سندیؒ، بہکلیؒ اور شوکانیؒ اور عبد اللہ بن اسماعیل الامیر سے علم حدیث حاصل کیا اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔

شیخ عبد الغنی بن ابی سعید دہلویؒ مہاجرِ مدینہ (متوفی ۱۲۹۶ھ) نے شیخ اسحاقؒ سے تحصیلِ علم کے بعد حجاز جاکر شیخ عابد سندیؒ اور دیگر علماءِ حدیث سے علم حدیث پڑھا اور واپسی پر تدریسِ حدیث کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ سننِ ابنِ ماجہ کی تعلیقات قلمبند کیں (تعلیقات علی سنن ابن ماجہ)

مفتی عبد القیوم بن عبد الحی صدیقی بڑھانویؒ (متوفی ۱۲۹۹ھ) نے شاہ محمد اسحاقؒ سے تحصیلِ حدیث کی اور تدریس کے ذریعے نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔

مولانا احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے شیخ وجیہ الدین سہارنپوریؒ اور شاہ اسحاقؒ سے علم حدیث پڑھا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ کتبِ حدیث بالخصوص صحیح بخاری کی صحت کا اہتمام کیا اور بڑا مفید حاشیہ لکھا۔

قاری عبد الرحمٰن بن محمد انصاری پانی پتیؒ (م ۱۳۱۴ھ) نے شیخ اسحاقؒ موصوف سے اخذ علم کیا، مدت العمر ان کی صحبت میں رہے۔ درس و تدریس کے ذریعے حدیث کی بڑی خدمت کی۔

سید عالم علی نگینویؒ (م ۱۲۹۵ھ) بھی شاہ اسحاقؒ کے شاگرد تھے۔ مراد آباد میں مدت العمر درسِ حدیث دیتے رہے۔

سید نذیر حسین دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ) حضرت میاں صاحبؒ ان سے عرب و عجم نے حدیث سیکھی اور اپنے عہد میں اقلیم حدیث کے تاجدار ٹھہرے۔

سید حسن شاہ رامپوریؒ (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے سید عالم علیؒ سے تحصیلِ حدیث کی اور رامپور میں درسِ حدیث دیتے رہے۔ کثیر التعداد علماء نے استفادہ کیا۔

مولانا ولایت علی صادق پوریؒ (م ۱۲۶۹ھ) نے شاہ اسماعیل شہیدؒ سے پھر قاضی محمد بن علی شوکانیؒ سے تحصیلِ حدیث کی اور سنت کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے منہمک رہے۔ بے شمار علماء نے ان سے حدیث پڑھی۔

مولانا قاضی محمد بن عبد العزیز جعفریؒ مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ) نے مولانا عبد الغنی بن ابی سعید دہلویؒ سے اور شیخ عبد الحق بن فضل اللہ عثمانیؒ اور دیگر ائمہ حدیث سے تحصیلِ علم کیا اور خلقِ کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ) شیخ عبد الغنیؒ مذکور سے اخذِ علم کے بعد تیس سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے اور صحاح ستہ کو ایک سال میں ختم کراتے تھے۔ تدبر و اتقان اور ضبط و تحقیق میں ان کا درس بے نظیر ہوتا تھا۔

سید نواب صدیق الحسن خان حسینی بخاری قنوجی (م ۱۳۰۷ھ) نے تصنیف و تالیف کے ذریعے علمِ حدیث کو عام کر دیا۔ کتبِ حدیث کو نشر کرنے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ فتح الباری۔ نیل الاوطار اور بہت سی دیگر کتبِ حدیث شائع کیں۔ نواب صاحب مرحوم کے احسانات سے امت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

مولانا شمس الحق بن امیر علی ڈیانویؒ شاگرد حضرت میاں صاحبؒ نے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی اور دیگر کتب کے ذریعے اشاعتِ حدیث میں بڑا حصہ لیا۔

مولانا حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادیؒ (م ۱۳۳۴ھ) شاگرد حضرت میاں صاحبؒ، نے وزیر آباد میں مدت العمر درس حدیث دیا اور بے شمار علماء نے فیض پایا۔

مولانا سید امیر حسینؒ سہسوانی (م ۱۲۹۱ھ) حافظ عبد اللہ غازی پوریؒ (م ۱۳۳۷ھ) مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ) مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ علمبردارانِ سنت و حدیث کے نامور قافلہ

تاریخ المشاہیر

فاضلِ نوجوان جناب سلیم تابانی صاحب

مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مصعب رضی بن عمیر مکے کے ایسے حسین و جمیل اور خوش رو نوجوان تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ:

"مکے میں مصعب رضی سے زیادہ کوئی حسین و خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے"

ان کے والدین کو ان سے شدید محبت تھی خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے ا جگر گوشے کو نہایت ناز و نعم سے پالا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے عمدہ سے عمدہ پوشاک پہنتے اور لطیف سے لطیف خوشبو استعمال کرتے تھے۔ حضرمی جوتا جو اس زمانے میں صرف امراء کے لیے مخصوص تھا ان کے روزمرہ کے کام آتا تھا اور ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش و زیبائش میں بسر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہاں انہیں اتنی نعمتوں سے نوازا تھا وہاں ان کے آئینۂ دل کو بھی نہایت صاف و شفاف بنایا تھا جس پر صرف ایک عکس کی دیر تھی۔ چنانچہ مکے میں توحید کی صدا بلند ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دی تو یہ بھی شرک و بت پرستی سے متنفر ہو گئے اور آ نبوت پر حاضر ہو کر اسلام کے جانبازوں میں داخل ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم ابی ارقم کے مکان میں قیام پذیر تھے اور مکے کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ ہو رہی تھی۔ حضرت مصعب رضی یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی ماں اور ان کے اہلِ خاندان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کے اس قدر دشمن ہیں کہ اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن نیک کی رغبت اور بدی سے نفرت نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیا اور وہ زندگی کے حقیقی مقصد کو جان کر اس

کے حصول میں لگ گئے۔

حضرت مصعب رضؓ بن عمیر "بہترین امت" میں داخل تو ہو گئے لیکن کفر و شرک کی بے پناہ یلغار کے باعث ایک عرصے تک انہیں اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنا پڑا اور وہ چھپ چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور اسلامی تعلیمات حاصل کرتے رہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ عثمان بن طلحہ نے جو اس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، انہیں کہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور جا کر ان کی ماں اور ان کے اہلِ خاندان کو خبر کر دی۔ بس پھر کیا تھا ماں اور خاندان والوں کی ساری محبت نفرت میں بدل گئی، سارے ناز و نعم ختم ہو گئے اور "مجرمِ توحید" کو قیدِ تنہائی کے مصائب و آلام کے حوالے کر دیا گیا۔ حضرت مصعب رضؓ ایک عرصے تک تمام اذیتیں برداشت کرتے رہے، نرم و نازک لباس میں ان کے لیے کوئی جاذبیت نہ رہی۔ انواع و اقسام کے کھانے ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئے، نشاط افزا عطریات کا شوق ختم ہو گیا اور دنیاوی عیش و نعم اور مادی اسباب و وسائل سے یکسر بے نیاز ہو گئے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا۔ یہ وہ مقصد تھا جسے جلوۂ توحید نے ان کے دل میں روشن کیا اور تمام فانی ساز و سامان سے بے پروا کر دیا تھا۔

حضرت مصعب رضؓ اب زندانِ تنہائی سے تنگ آ گئے، اشاعت اسلام کا جذبہ ان کے دل میں ابھرتا اور وہ اپنی اس تلخ زندگی پر سخت متاسف ہوتے۔ ادھر کچھ دوسرے ولدادگانِ جلوۂ توحید بھی کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے اور کسی ایسی جائے پناہ کی تلاش میں تھے جہاں انہیں کچھ اطمینان و سکون میسر ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحمدل اور منصف مزاج ہے وہ تم کو آرام سے رکھے گا۔ یہ حکم پاتے ہی مصیبت زدہ مسلمانوں کا ایک کثیر التعداد قافلہ ہجرت کے لیے آمادہ ہو گیا جس کے رئیس حضرت عثمان بن مظعون تھے۔ حضرت عثمان رضؓ بن عفان اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قافلے میں تھے۔ حضرت مصعب رضؓ بن عمیر نے بھی ان متلاشیانِ امن و سکون کے ساتھ سرزمینِ حبشہ کی راہ لی اور اپنے آپ کو غریب الوطنی کے مصائب و آلام کے حوالے کر دیا۔

ابھی یہ لوگ کچھ ہی دن حبش میں رہے تھے کہ ان کو اہلِ مکہ کے اسلام کی خبر ملی اور فطرۃً وطن لوٹنے کا شوق

پیدا ہوا۔ لہٰذا یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے۔ مگر مکے کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ بہر حال یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہو گئے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے علاوہ تمام حضرات مکے ہی میں ٹھہر گئے۔ ہجرت کے مصائب نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ظاہری حالت میں نمایاں فرق پیدا کر دیا تھا۔ اب نہ وہ رنگ باقی رہا تھا اور نہ وہ روپ چہرے پر دکھائی دیتا تھا۔ یہاں تک کہ خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشاں حالی پر رحم آگیا اور وہ مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔

اس اثنا میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں یثرب کی وادی میں پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کا ایک معزز طبقہ مشرف باسلام ہو گیا تھا۔ مدینے کے حق پرستوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ آپ کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے مصعبؓ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد انہیں مدینہ منورہ کی طرف بھیج دیا۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہو کر تعلیمِ قرآن اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں جو بیش بہا خدمات انجام دیں اور جس حسن و خوبی کے ساتھ عقاید و محاسنِ اسلام بیان کر کے مدینے کی فضا کو اسلام کے لیے ہموار کیا وہ اسلامی تاریخ کا ایک پورا باب ہے اور اسلامی دعوت کی آئندہ مرکزی عمارت کے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان کی شبانہ روز کوششوں اور انتھک محنت سے جب مدینہ منورہ میں فدا کارانِ اسلام کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی تو انہوں نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی۔ پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا۔ پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی۔ اس طرح وہ شعارِ اسلامی جو روزانہ عباداتِ الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادرانِ اسلام کو ایک جگہ جمع ہو کر باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تحریک سے قائم کیا گیا تھا اور سب سے پہلے وہی اس کے امام تھے۔

عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام

اہلِ یثرب کو فدائیِ اسلام بنادیا اور تحریکِ اسلامی کو ایک نئے موڑ پر لے آئے چنانچہ عقبہ ثانیہ کی بیعت میں تہتر اکابر و اعیانِ مدینہ کی پر عظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدیدِ بیعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ ان کے معلمِ دین حضرت مصعبؓ بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانۂ نبوت پر حاضری دی اور اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت توجہ اور دل چسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت و جاں فشانی سے حد درجہ محظوظ ہوئے۔

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ کے بعد مکہ تشریف لائے تھے لیکن ابھی تک ماں سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا:۔

"اے نافرمان فرزند! کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں مَیں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟"

انہوں نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا کہ:۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا۔"

اس کے بعد حضرت مصعبؓ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے اور طویل گفتگو کے بعد واپس آپؐ کی خدمتِ اقدس میں چلے گئے۔ یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا چنانچہ انہوں نے تین مہینے (ذی الحجہ، محرم، صفر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں بسر کیے اور پہلی ربیع الاول کو آپ سے بارہ دن قبل مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔

سنہ ۲ھ سے حق و باطل، کفر و اسلام اور نور و ظلمت میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا اور کفار کے فساد و بدامنی، طمع و ہوس، بغض و عداوت اور تعصب و تنگ نظری کی آگ کو فرو کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا .... (الحج) تو حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی عرصۂ وغا میں نکلے اور اس شان سے نکلے کہ غزوہ بدر میں مہاجرین کی جماعت کا سب سے بڑا پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے میدانِ فصاحت کی طرح یہاں بھی اپنے نمایاں جوہر کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس کے بعد

غزوۂ احد پیش آیا تو اس میں بھی علمبرداری کا منصب شرف ان ہی کو ملا۔

شہادت

اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلیٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہاں طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو یہ علمبردار اسلام اس وقت بھی یکہ و تنہا نرغۂ اعداء میں ثابت قدم اور ہمت آزما رہا کیونکہ پرچم توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لیے سخت عار تھا غرض اسی حالت میں مشرکین کے ایک شہسوار ابن قمیئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ...... (آل عمران)، ابن قمیئہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا لیکن اس مرتبہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینے سے چپٹا لیا۔ دشمن نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور اس زور سے تاک کر نیزہ مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینے میں رہ گئی اور اسلام کا سچا جانباز اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت اور ابدی سکون کی نیند سو رہا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر ان کے بھائی ابو الروم بن عمیر آگے بڑھے اور لوائے توحید کو سنبھالا دے کر پہلے کی طرح بلند رکھا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے۔

تجہیز و تکفین

جنگ ختم ہو گئی اور لشکر کفار اپنی موہوم فتح کے غرور باطل میں بدمست ہو کر واپس چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعبؓ کی لاش کے قریب تشریف لائے۔ آپ نے کھڑے ہوئے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ

(اہل ایمان میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا)

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

"میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ بے شک خدا کا

رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے۔"

اس کے بعد نمازیانِ دینِ متین کو حکم ہوا کہ:

"کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں۔"

اور فرمایا کہ:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے" (اللھم صلّ و سلّم علیھم)

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان نہایت عسرت و تنگ دستی کی زندگی گزار رہا تھا اور غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کے لیے کفن تک میسر نہ تھا۔ حضرت مصعبؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا کہ حورانِ بہشتی کا شوقِ دیدار فزوں سے فزوں تر ہو جائے اور ان کے بھائی حضرت ابو الرومؓ نے تین اور حضرات کی مدد سے سپردِ خاک کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللہ اکبر! یہ وہی مصعبؓ بن عمیر تھے جن کو ابھی ہم کہہ ہیں قبولِ اسلام سے پہلے بھی دیکھ چکے اور زبانِ صداقت و لسانِ وحی سے ان کے حسن و جمال اور ناز و نعم پروری کا حال سن چکے ہیں۔ ان کو مادی اسباب کی کیا پرواہ تھی؟ دنیاوی آسائش و راحت کی کون سی چیز انہیں حاصل نہیں تھی؟ وہ کونسا انسانی تکلف تھا جس کی ان سے آشنائی نہ ہو لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا و رسول کی محبت نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ دنیا اور اہلِ دنیا کی حالت پر رحم آگیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت مصعبؓ بن عمیر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حالت یہ تھی کہ جسم پر ستر پوشی کے لیے صرف کھال کا ایک ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"الحمد للہ! اب دنیا کی تمام اہلِ دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے۔ یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ ——

عبد الرحمن عاجز مالیر کوٹلوی

محدّث



جاں ہے کہ بنی جاتی عنوان محدث
دل ہے کہ ہوا جاتا ہے قربانِ محدث

اُبھرا افقِ علم سے اک ادرِ مجلّہ
دامن میں لیے سروچراغانِ محدث

تنویر ہی تنویر، تبسم ہی تبسم
یہ خلدِ بریں ہے کہ گلستانِ محدث

کیسے، معطّر ہو مشامِ دل و ایماں
ہیں مُشک فشاں سنبل و ریحانِ محدث

اس شان کتابت پہ ہے یہ رنگ طباعت
اللہ رے یہ حسنِ فراوانِ محدث

چندہ بھی مناسب ہے ضخامت بھی مناسب
ہر چیز سے ہر شے سے عیاں شانِ محدث

ہر ذوق کی تکمیل ہے، ہر شوق کا حاصل
پھر کیوں نہ زمانہ ہو ثنا خوانِ محدث

چھٹ جائے گا ہر جہل و تغافل کا اندھیرا
روشن ہے چراغِ رخِ تابانِ محدث

ہوتی ہے سحر بطنِ شبِ تار سے پیدا
مایوس نہ ہوں حوصلہ مندانِ محدث

اوراقِ محدث پہ ہیں بکھرے ہوئے موتی
آئیں بھریں داماں عزیزانِ محدث

خود آپ پڑھیں اپنے احباء کو پڑھائیں
ہر لفظ محدث کا، محبانِ محدث

ہوتا رہے سیراب ہر اک علم کا جویا
جاری رہے یہ چشمۂ فیضانِ محدث

ہو جائے گی ہر مشکلِ رہ خود بخود آساں
رہ بر ہے اگر شوقِ فراوانِ محدث

الحاد کے اِس دور میں عاجز کی دعا ہے
وہ ذاتِ مقدس ہو نگہبانِ محدث



الاسلام ليس رأسماليا ولا اشتراكيا

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبع سنته إلى يوم الدين . وبعد ، يخطئ كثيرا من يظن أن الرأسمالية والاشتراكية نظامان اقتصاديان فحسب ، ويحسب أنهما لايبحثان أو لايتعرضان للنواحي الأخرى ،كالنواحي الاجتماعية والسياسية والدينية ....الخ. و ذلك لأن هذا الظن لايغني عن حقيقة كل من الرأسمالية والاشتراكية شئيا،لأن حقيقة كل منهما غير مخفية أو مستورة . فهي ظاهرة بل واضحة كل الوضوح في الكتب التي ألفها أصحاب هذين المذهبين ، فبينوا حقيقة كل منهما مفصلا وموضحا . وفي البيانات التي أعلنها أصحاب ذينك المذهبين ، فقد عرضوا في تلك البيانات النقاط الدقيقه والصريحة الواضحة في مبادئهم التي يدعون الناس لاتباعها .

فهذه الكتب وتلك البيانات هي الحجة التي يبنى معرفة ذينك المذهبين عليها . ولايحق لأي إنسان مهما كان عالما أو فيلسوفا أن يطلق لفظ الاشتراكية أو الرأسمالية على شيء غيرما في تلك الكتب والبيانات وكل من فعل ذلك فهو إما كاذب محرف مغير للحقيقة وإماسطحي بعيد من مفاهم العلم. فيطلق الأشياء بدون ترو ولا تحقيق ولا بحث ، وكلا الأمرين شر .

والذي ينظر في الكتب والبيانات التي كتبها وألفها الاشتراكيون والرأسماليون يرى بوضوح أن كل مذهب منهما يبحث في الأمور الاجتماعية والدينية والسياسية ، ويعطي فيها آراء و حلولا كما يعطي آراء وحلولا في الناحية الاقتصادية ـ فالناظر في البيان أو الميثاق الذي نشره "كارل ماركس"

صاحب النظرية الشيوعية الاشتراكية والمؤسس الفكرى لها يرى فى مواد هذا الميثاق مواد تتعلق بالأسرة والزواج واتصال الجنسية ، كما يرى مواد تتعلق بالنواحى الدينية ، ومواد تتعلق بالنواحى السياسية وهكذا بالاضافة إلى ما يتعلق بالناحية الاقتصادية وهكذا بقية بيانات وكتب الشيوعيين أو الاشتراكيين الثوريين .

وكذلك الذى ينظر فى كتب وبيانات الرأسماليين يرى فيها أبحاثا تتعلق بالأسرة والزواج وما إلى ذلك ، وأبحاثا تتعلق بالفكرة الروحية وأبحاثا تتعلق بالسياسية وشكل الدولة وكيفية الحكم بالاضافة إلى ما يتعلق بالنواحى الاقتصادية .

ولابأس بعرض أبرز الأسس لكل من المذهبين بايجاز :-

أولا :- الرأسمالية : أو المذهب الحركما يسميه أصحابه أيضا . يقوم على حرية التصرف الفردية فى كل شىء .

١ - فى الناحية الاقتصادية : الانسان حر فى جمع المال من أى طريق كان ولومن طريق الربا والاحتكار وأجرة زنا وثمن خمور . كما هو حر فى صرفه فى أى طريق كان ولوعلى مالايلزم ولوكان على مايضر كصرفه فى شرب الخمور واللعب بالميسرو دفعه أجرة بغاء أو مراقصة مومس - وليس لأى إنسان بل ولا للدولة أن تتدخل فى شئون هذا الانسان فتمنعه من بعض التصرفات لأن ذلك يعتبر اعتداء وحجزا لها ، ومخالف لأصول هذا المذهب القائم على حرية التصرف فى كل شىء .

٢ - وفى الناحية الاجتماعية يقرمبدأ الزواج والأسرة ويريد تشجيعها إلا أنه يعتبر اتصال الرجل بالمرأة عن غير طريق الزواج مباحا . لاعيب فيه ولا عقوبة عليه طالما هو فى حدود رضى الطرفين .

٣ - فى الناحية الدينية تبيح الرأسمالية للانسان أن يعتقد من العقائد الدينية مايشاء صحيحة كانت أو فاسدة . وتطلب من المجتمع ألا يمس الواحد شعار دين آخر ، ويمتهنه ، إلا أنها تعتبر الدين علاقة بين الانسان ومعبوده فى حدود العبادة بمفهومها الضيق الكهنوتى ولاعلاقة للدين فى تصريف أمور الحياة وإعطاء الحلول لها من إباحة أو تحريم لذالك فهم ينادون بنظرية (فصل الدين عن الدولة) .

٤ - فى ناحية الحكم فالنظام الحر يبتنى الديمقراطية فى الحكم. والديمقراطية كما فسرها أصحابها هى (حكم الشعب بالشعب للشعب) . أى أن الشعب هو الذى يختار شكل الحكم وينتخب من ينيبه فى هذا الحكم ، وبشر هؤلاء النواب باسم من انتخبهم أى باسم الشعب ، القوانين والأنظمة وكل ما يتعلق بسير الناس والدولة إجمالا وتفصيلا .

ثانياً :- الاشتراكية الماركسية او الشيوعية :-

ويقوم هذا المذهب بصورة عامة على فكرة جماعية وليس للفرد فى هذا المذهب حرية فى اختيار ما يريد فى أى شيء بل هو كما يمثلونه كالسن فى الدولاب يدور مع الجماعة بصورة آلية وليس له أى اعتراض أو انتقاد .

١- فى الناحية الاقتصادية هذا المذهب يحرم على الانسان أن يتملك، فليس له حق فى الملكية سواء كانت أرضاً اوعملاً أو أدوات إنتاج ، وإنما الذى له حق التملك هو الجماعة الممثلة — فى زعمهم — بالدولة . والناس كلهم أجراء عند الدولة تفرض عليهم الأعمال التى تريدها بالمكان الذى تقرره وليس للفرد أى اعتراض على ذالك أبداً ثم هى تكفيه من الطعام والملبس والمسكن حسبما تريد أيضاً .

٢ ـ فى الناحية الاجتماعية : يعتبر هذا المذهب الأسرة والزواج عقبة فى طريق التقدم والمساواة فى النظر إلى الأفراد ، لذلك يرى تحطيم الأسرة والزواج ، ويرى من الأفضل أن يتصل أى رجل بأى امرأة يريد ، وتتولى الدولة بعد ذلك تربية الأولاد ، وقد طبق هذا فى أول الثورة الشيوعية ١٧١٧م فى زمن (لينن) . إلا أنهم تراجعوا عنه شيئا فشيئا عند مالمسوا إضراره الاجتماعية التى كادت أن تقضى على النسل كما تراجعوا كذلك فى الناحية الاقتصادية فأباحوا التملك فى الأراضى الزراعية ولو بحدود ضيقة ـ لما لمسوه من قلة الانتاج الذى أدى إلى تأخر البلاد تأخرا ذريعا فى الاقتصاد .

٣ ـ اما الناحية الدينية :ـ فيعتبر هذا المذهب أن فكرة وجود الله أو الرسل أو اليوم الآخر خرافات وأضاليل اخترعها رجال الدين فى القرون الوسطى ليستغلوا الناس ويحذروهم عن مطالبهم فى الحياة فاخترعوا لهم فكرة الآله واليوم الآخر والنعيم والجحيم وما إلى ذلك.لذلك فهم يحاربون فكرة الدين والايمان مهما كان نوعها . وإن تستروا ونافقوا فى عدم إظهارها فى بعض المجالات السياسية . فقد اشتهر عندهم قولهم (الدين أفيون الشعوب) .

٤ـ الناحية السياسية أو ناحية الحكم :ـ يقوم هذا المذهب على (دكتاتورية البروليتاريا)أى تحكم طبقة العمال والفلاحين فى باقى طبقات الشعب وليس لأحد من الناس الباقين غير الشيوعيين أن يبدى رأيا او ينتقد أو يطلب أن يكون له من يمثل رأيه فى الحكومة كل من يفعل ذلك يكون جزاؤه الموت بسرعة لا مثيل لها .

فمن هذا العرض الموجز البسيط لأبرز هذين المذهبين ترى أنهما

لايقتصران فى البحث على الناحية الاقتصادية وإعطاء الحلول لها وإنما يبحثان فى غيرها من النواحى الأخرى ويعطيان الحلول اللازمة فى نظريهما لها أيضا.

والخطأ الذى نتج من الظن بأن هذين المذهبين - يبحثان فى الناحية الاقتصادية فقط هو الذى أوقع الكثيرين من الناس حتى من العلماء والكتاب الاسلاميين - مع الأسف الشديد - فى وصم الاسلام بأنه رأسمالى او اشتراكى أو الزعم برأسمالية الاسلام أو اشتراكيته.

وهذا كله يعود إلى عدم التروى فى البحث عن حقائق الأمور التى ينبغى أن يدقق فى شأنها كثيرا حتى يعطى الحكم بعد ذلك صحيحا مبنيا على التحقيق العلمى والحجة والبرهان الواضحين.

ولقائل أن يقول: قد يشفع لهؤلاء المتسرعين فى وصم الاسلام بالاشتراكية مرة وبالرأسمالية أخرى. فحسن النية على فرض تسليمه لبعضهم والله أعلم بالنوايا لايكفى فى التجرؤ على وصم الاسلام وتسميته بأسماء لها دلالات ومحتويات تتعارض مع الاسلام وأحكامه كل المعارضة، قد صنعتها أيد كافرة طائشة سولت لها شياطينها بتلفيقها وحياكتها. لأن فى ذلك مسخا وتشويها للاسلام وأحكامه الحنيفية التى أنزلها الله من فوق سبع سموات. فأنى لمرتكبى هذه الجريمة النكراء الذين يلبسون دين الله بكل لبوس، تخرجه أيدى الطواغيت فى كل زمان أن يشفع لهم حسن نيتهم إن كان هناك حسن نية.

ابدا، ليس (لهؤلاء) مايشفع لهم لأنهم قفوا ما ليس لهم به علم. ولقد نهى الله المسلم ان يقفوا ماليس له به علم فقال: (ولا تقف ماليس لك به علم، ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا).

كيف يجوز لهؤلاء الطائشين الذين يفرحون بالباس الاسلام بكل اسم جديد أن يطلقوا على الاسلام اسم الاشتراكية ؟؟

فهل يحرم الاسلام على الفرد أن يتملك ولومن طريق مشروع ؟

أم هل يأمر الاسلام بتحطيم الأسرة وإبطال الزواج واستبداله بفوضى الزنا والبغاء ؟؟

أم هل ينكر الاسلام وجود الله واليوم الآخر والرسل ويعتبر ذلك خرافة ؟؟

بل هل يبيح الاسلام الدكتاتورية والتحكم فى رقاب الناس بما يريد الحكام ؟

هذه فى أبرز أسس الاشتراكية الثورية ، فان كان الاسلام يقرها فنقول : إن الاسلام لايتعارض مع الاشتراكية ولايجوز حتى فى هذه الحال اطلاق اسم الاشتراكية على الاسلام . فكيف إذاكان الاسلام يتعارض مع هذه الأحكام والضلالات ؟؟ فكم هو عظم الجريمة اذاً أن يطلق اسم الاشتراكية على الاسلام ؟

أم كيف يجوز علىهؤلاء أن يطلقوا علىالاسلام اسم الرأسمالية ؟؟ ألأن الاسلام يبيح جمع المال من أى وجه كان ولو من طريق الربا أو الاحتكار؟ أم لأن الاسلام يبيح صرفه فى أى طريق كان ولوكان على السكرو والملاهى والليالى الدائرة الحمراء ؟ بل هل يبيح الاسلام الزنا للرجل والمرأة طالما تحقق رضاهما؟ أم هل يرضى الاسلام أن يقصر الدين فيكون علاقة بين العبد وربه فقط فى شكل عبادات بمفهومها الضيق، وأن لايكون لأحكامه علاقة فى حل مشاكل الحياة باللاباحة والتحريم وإعطاء الحلول ؟؟ أم هل يرضى الاسلام

بنظرية فصل الدين عن الدولة وأن يشرع الناس لأنفسهم مايرونه مناسبا لمصالحهم ، تاركين حكم الله فى تلك المسائل والحوادث ؟

هذه هى أبرز أسس الرأسمالية (أو المذهب الحر) . فان كان الاسلام يقرها فلابأس أن نقول : إن الاسلام لايتعارض مع الرأسمالية . وإن كان لايقرها فكيف يجوز إطلاق ذلك عليه زورا وبهتانا ؟؟ ألم يأن للذين آمنوا أن يتفهموا الاسلام أولاً ويحققوا فيما جد من المذاهب المستحدثه حتى يعرفوها على حقيقتها من مصادرها ثانيا ، فيعطوا عند ذلك رأى الاسلام الصحيح فيها . وأما القصد الطيب والهدف النبيل فى زعم قائله من وصف الاسلام بالرأسمالية او الاشتراكية كما صرح بذلك بعض الكتاب الاسلاميين فى مقدمة كتابه عن اشتراكية الاسلام فقال : ان هذه اللفظة صارت محبوبة لدى عامة الناس فأردت كسبهم بهذا الاسم فأطلقته على الاسلام، فهو أمر غريب جدا بل هو عجيب أيضا !! فلوصارت لفظة النصرانية أو اليهودية محبوبة للجماهير ، أفيجوز وصف الاسلام بهذه الألفاظ فنقول : نصرانية الاسلام أو يهودية الاسلام . . . . سبحانك هذا بهتان عظيم .

أيها المسلمون ! أيها الشباب المؤمنون ! كونوا على وعى تام من هذه الدسائس وتلك المسميات التى يصمون بها الاسلام لتنفير حقيقته وإزاحته عن الحكم ومعترك الحياة بالنهاية . واعلموا أن الاسلام هو الاسلام الموضح فى الكتاب والسنة الصحيحة ولايزيغ عن ذلك إلاهالك ، والحمد لله رب العالمين .



جواب سے مطلع فرمائیں

السلام علیکم

مکرمی !

ماہنامہ محدث لاہور شوال المکرم ۱۳۹۰ھ / دسمبر ۱۹۷۰ء سے شائع ہو رہا ہے۔ ہمارے قارئین نے اسے پسند فرما کر جس طرح ہمیں تحسین و تبریک کے کلمات سے نوازا ہے اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے ہم ان کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔

ہم اس رسالہ کو قارئین میں زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کے لیے ان سے مفید مشوروں کے طلبگار ہیں تا کہ یہ مجلہ ظاہری و باطنی خوبیوں کے ساتھ دین حنیف کی بہتر خدمت کر سکے۔

واضح رہے کہ ہم تمام انسانی مسائل کا حل اس کے خالق کے بتائے ہوئے طریقہ ہی میں سمجھتے ہیں جس کا ترجمان کتاب و سنت ہے۔

محترمی ! آپ بخوبی واقف ہیں کہ اس الحاد اور مادیت کے دور میں ایک خالص دینی رسالہ کی اشاعت میں کس قدر مشکلات ہیں۔ ہمارے بہی خواہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کرنے میں تعاون فرمائیں، خود خریدار بنیں اور ہمیں دینی ذوق رکھنے والے دوستوں کے پتے ارسال کریں۔

امید ہے کہ آپ اس کے مستقل معاون بنتے ہوئے سالانہ چندہ -/۱۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے یا ہمیں آئندہ شمارہ ۱۰/۵۰ روپے میں وی۔ پی کرنے کی اجازت فرمائیں۔ بصورت دیگر ہمیں اطلاع دیں تا کہ ہمارا نقصان نہ ہو۔ خریداری کی اطلاع کے لیے کوپن اور پتوں کا فارم منسلک ہے۔

مینجر

فارم اور کوپن پر کرکے ساتھ والے لفافے میں
ڈال دیں جس پر ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں -
لفافے کو اوپر سے بند نہ کیجیئے -

فارم برائے پتہ جات

دینی ذوق رکھنے والے احباب کے پتے ذیل میں درج ہیں اور ان میں قوت خرید بھی ہے -

۱ - ____________________

۲ - ____________________

۳ - ____________________

۴ - ____________________

۵ - ____________________

۶ - ____________________

۷ - ____________________

۸ - ____________________

کوپن اطلاع خریداری

میں.......................... پتہ.........................

ماہنامہ "محدث" لاہور کی خریداری قبول کرتا ہوں / قبول کرنے سے معذور ہوں

اس لیے آپ آئندہ شمارہ مذکور پتہ پر وی - پی کر دیں / وی پی نہ کریں

/ارسال کر دیں میں زرسالانہ بھیج دوں گا -

Regd. No. L. 7895 MARCH, 1971

Monthly **MUHADDIS** Lahore-16

Islamic Research Council

Vol: 1	MUHARRAM-AL-HARAM 1391 A. H.	No. 4

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

ذیلی دفتر	صدر دفتر
حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز	مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
رام گلی نمبر ۲ ۔ لاہور	گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور ۱۶

بیرونِ ملک		معاونین سے :۔	
شرقِ اوسط :	۱۔ پونڈ، ۵ شلنگ	زرِ سالانہ	۱۰ روپے
مغربی ممالک :	۱۔ پونڈ، ۱۰ شلنگ	فی پرچہ	۹۰ پیسے

فون نمبر ۶۲۲۹۸

فون نمبر ۵۳۸۶۳